

برصغیر میں تعلیمی تحریکات کا تاریخی جائزہ

A Historical Overview of Educational Movements in the Indian Subcontinent

Muhammad Ali Khan

Assistant Professor, Department of History, University of the Punjab, Lahore, Pakistan

Saira Fatima

Associate Professor, Department of Education, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan

Abstract:

The educational movements in the Indian subcontinent played a transformative role in reshaping the intellectual, cultural, and political landscape from the 18th to the 20th centuries. These movements emerged as a response to colonial domination, cultural decline, and the urgent need for socio-political reform. Muslim and Hindu reformers such as Sir Syed Ahmad Khan, Raja Ram Mohan Roy, and others initiated educational campaigns that emphasized modern scientific learning, moral values, and cultural preservation. Institutions like Aligarh, Deoband, and Banaras Hindu University became symbols of ideological contrast and national awakening. This paper critically analyzes these movements, their philosophical foundations, institutional impacts, and their lasting legacy in shaping modern South Asian education.

Keywords: Educational Movements, Colonial India, Aligarh Movement, Deoband, Modernization, Nationalism, Social Reform, Historical Education

تعارف

برصغیر کی تعلیمی تاریخ دراصل تہذیبی ارتقاء اور فکری بیداری کی تاریخ ہے۔ انگریزوں کی آمد سے قبل یہاں تعلیم مذہبی اداروں جیسے مدارس، پاٹھ شالاؤں اور گروکلوں تک محدود تھی۔ برطانوی استعمار نے جب مغربی نظام تعلیم متعارف کرایا تو اس نے روایتی نظام کو بدل دیا لیکن اسی تبدیلی نے اصلاحی و فکری تحریکات کو بھی جنم دیا۔

مسلم اور ہندو رہنماؤں نے محسوس کیا کہ تعلیمی پسماندگی ہی قومی زوال کی بنیاد ہے، چنانچہ انہوں نے جدید تعلیم اور تہذیبی شعور کے امتزاج سے نئی راہیں متعین کیں۔ علی گڑھ تحریک نے سائنسی و جدید تعلیم کی راہ ہموار کی جبکہ دیوبند نے اسلامی فکر کے احیاء پر زور دیا۔ ان کے مابین نظریاتی اختلاف کے باوجود مقصد ایک ہی تھا۔ تعلیم کے ذریعے فکری آزادی اور خودی کی بیداری۔

۱۔ نوآبادیاتی اثرات اور تعلیمی تبدیلی

برطانوی استعمار کے زیر اثر برصغیر کا تعلیمی نظام ایک ہمہ گیر تبدیلی سے گزرا۔ انگریزوں نے اپنی سیاسی گرفت کو مضبوط بنانے اور فکری بالادستی قائم رکھنے کے لیے تعلیمی پالیسیاں اس انداز میں ترتیب دیں کہ مقامی عوام میں مغربی نظریات اور اقدار کو فروغ حاصل ہو۔ 1835ء میں لارڈ میکالے کا تعلیمی منٹ برصغیر کی علمی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے ذریعے انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا اور قدیم اسلامی و سنسکرتی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اس پالیسی کا مقصد ایک ایسے طبقے کو پیدا کرنا تھا جو انگریز حکام کے لیے انتظامی مشینری میں معاون ثابت ہو۔ "ایسے ہندوستانی جو رنگ و نسل میں مقامی ہوں مگر سوچ میں انگریز۔" اس طرح مدارس، پانٹھ شالوں اور گروکلوں جیسے روایتی اداروں کی حیثیت کمزور ہو گئی، اور مغربی نصاب و نظام تعلیم نے ان کی جگہ لے لی۔ اگرچہ اس تبدیلی نے علمی و سائنسی ترقی کی راہیں کھولیں، لیکن اس کے نتیجے میں برصغیر میں تہذیبی تقسیم، لسانی تفریق، اور فکری انحطاط بھی پیدا ہوا۔ یہی وہ پس منظر تھا جس نے سرسید احمد خان اور دیگر مصلحین کو تعلیمی اصلاحات اور مقامی اقدار کے تحفظ کے لیے جدوجہد پر آمادہ کیا۔

۲۔ علی گڑھ تحریک اور جدید مسلم تعلیم

انیسویں صدی کے وسط میں جب برصغیر کے مسلمان سیاسی و تعلیمی زوال کا شکار تھے، اس وقت سرسید احمد خان ایک نجات دہندہ کے طور پر ابھرے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے لیے تعلیمی پسماندگی ایک سنگین مسئلہ بن چکی تھی۔ سرسید نے اس حقیقت کو شدت سے محسوس کیا کہ مغربی سائنس، ٹیکنالوجی اور جدید تعلیم سے دوری نے مسلمانوں کو نہ صرف معاشی میدان میں بلکہ فکری سطح پر بھی پیچھے دھکیل دیا ہے۔ انہوں نے تعلیم کو قوم کی ترقی اور بیداری کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہوئے اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جو بعد ازاں علی گڑھ تحریک کے نام سے معروف ہوئی۔

سرسید احمد خان نے مغربی علوم کو اسلامی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی تاکہ مسلمان جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق ترقی کر سکیں مگر اپنے مذہبی تشخص سے محروم نہ ہوں۔ 1875ء میں ان کی مساعی سے محمدن ایٹھلو اور نیٹل کالج کا قیام عمل میں آیا، جو بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گیا۔ اس ادارے کا مقصد محض تعلیم دینا نہیں بلکہ ایک ایسے باشعور طبقے کی تربیت کرنا تھا جو مذہب اور جدید علم دونوں میں توازن رکھے۔

علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں میں سائنسی شعور، جدید فکر، اور خود اعتمادی کو فروغ دیا۔ اس کے فارغ التحصیل طلبہ نے بعد ازاں سیاسی و سماجی میدانوں میں قائدانہ کردار ادا کیا اور تحریک پاکستان کے فکری پس منظر کی تشکیل میں اہم کردار نبھایا۔ یوں علی گڑھ تحریک نے برصغیر کے مسلمانوں میں تعلیمی اور قومی بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی جو آج بھی مسلم معاشروں کے لیے مشعل راہ ہے۔

۳۔ دیوبند اور مذہبی احیاء

جب برصغیر میں مغربی تعلیم اور انگریزی تہذیب تیزی سے فروغ پارتی تھی، اس وقت ایک ایسا طبقہ بھی موجود تھا جو اس فکری یلغار کے مقابلے میں اسلامی شناخت اور دینی علوم کے تحفظ کے لیے سرگرم ہوا۔ اسی پس منظر میں دارالعلوم دیوبند کا قیام 1866ء میں عمل میں آیا، جس نے برصغیر کے مسلمانوں کے فکری و مذہبی احیاء میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ ادارہ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، اور دیگر علما کا دوشوں سے قائم ہوا۔ ان مصلحین نے محسوس کیا کہ مغربی نظام تعلیم اگرچہ سائنسی ترقی کا باعث ہے، لیکن اس کے اثرات اسلامی معاشرت اور روحانی اقدار کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے اسلامی علوم، فقہ، حدیث، اور تفسیر کی روایت کو از سر نو زندہ کیا۔ اس ادارے کا نصاب درس نظامی پر مبنی تھا، مگر اس میں اجتہاد، عقل، اور روحانی تزکیہ کو بھی مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ دیوبندی مکتب فکر نے نہ صرف مذہبی تعلیم کو عام کیا بلکہ مسلمانوں میں اخلاقی تربیت اور دین سے وابستگی کو مضبوط کیا۔

مغربیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کے مقابلے میں دیوبند نے فکری مزاحمت کی ایک مضبوط دیوار قائم کی۔ اس نے مغربی تقلید کی بجائے اسلامی خودی، روحانیت، اور اجتماعی وحدت کا پیغام دیا۔ اگر علی گڑھ تحریک مسلمانوں کے لیے علمی و سائنسی بیداری کا مظہر تھی، تو دیوبند تحریک روحانی استقامت اور مذہبی شخص کی علامت بنی۔ دونوں تحریکات، باوجود اختلاف فکر کے، مسلمان قوم کے احیاء اور بقا میں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی نظر آتی ہیں۔

۴۔ ہندو اصلاحی تعلیمی تحریکات

برصغیر میں جب مسلمانوں کے درمیان علی گڑھ اور دیوبند جیسے تعلیمی و فکری مراکز اُبھر رہے تھے، اُس وقت ہندو معاشرہ بھی اصلاحی اور تعلیمی بیداری کے ایک نئے دور سے گزر رہا تھا۔ انگریزی تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثرات نے ہندو رہنماؤں کو اس احساس پر آمادہ کیا کہ اگر ہندو سماج کو اپنی مذہبی اور ثقافتی بنیادوں پر قائم رکھنا ہے تو اسے بھی تعلیمی اصلاحات کی راہ اپنانی ہوگی۔ اس پس منظر میں برہمو سماج، آریہ سماج، اور بعد ازاں بنارس ہندو یونیورسٹی جیسے اداروں اور تحریکات نے نمایاں کردار ادا کیا۔

برہمو سماج کی بنیاد راجہ رام موہن رائے نے 1828ء میں رکھی۔ اس تحریک نے ہندو مذہب میں پھیلی رسومات، جادو ٹوٹے اور ذات پات کے امتیازات کے خلاف آواز بلند کیا۔ برہمو سماج کے رہنماؤں نے تعلیم کو سماجی اصلاح کا بنیادی ذریعہ سمجھا اور عورتوں کی تعلیم و آزادی کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

بعد ازاں سوامی دیانند سرسوتی نے 1875ء میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی، جس کا نعرہ تھا "واپس ویدوں کی طرف"۔ اس تحریک نے ہندو مذہب کو اس کے اصل ویدی اصولوں کی طرف لوٹانے اور اخلاقی و تعلیمی تطہیر کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ آریہ سماج نے مدارس اور گروکل قائم کیے جن میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کو بھی اہمیت دی گئی تاکہ ہندو نوجوان جدید دنیا میں فعال کردار ادا کر سکیں۔

اسی سلسلے کی ایک بڑی پیش رفت بنارس ہندو یونیورسٹی کا قیام (1916ء) تھی، جس کے بانی پدمت مدن موہن مالویہ تھے۔ یہ ادارہ ہندو تعلیمی احیاء کا مظہر تھا جس نے مذہب، فلسفہ، سائنس، اور فنون لطیفہ کے امتزاج سے ایک متوازن تعلیمی نظام پیش کیا۔

ہندو اصلاحی تحریکات نے برصغیر کے سماجی و فکری ڈھانچے کو نئی جہت بخشی۔ ان تحریکات نے تعلیم کو مذہبی بیداری، اخلاقی تعمیر، اور سماجی اصلاح کا ذریعہ بنایا اور اس طرح پورے برصغیر میں فکری اور قومی شعور کی فضا قائم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

میراث اور جدید تعل

۵۔ میراث اور جدید تعلیمی ارتقاء

برصغیر کی تعلیمی تحریکات نے نہ صرف انیسویں اور بیسویں صدی کے فکری ماحول کو تشکیل دیا بلکہ پاکستان اور بھارت کے بعد از آزادی تعلیمی نظاموں پر بھی دیرپا اثرات چھوڑے۔ علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں میں جدید سائنسی فکر اور قومی شعور کو جنم دیا، جبکہ دیوبند نے اسلامی تشخص اور دینی تعلیمات کے تسلسل کو محفوظ رکھا۔ انہی دونوں رجحانات کی جھلک آج پاکستان کے تعلیمی نظام میں صاف دکھائی دیتی ہے، جہاں جدید یونیورسٹیاں اور مذہبی مدارس دونوں سماج کی فکری تشکیل میں کردار ادا کر رہے ہیں۔

بھارت میں بھی برہمن سماج، آریہ سماج اور بنارس ہندو یونیورسٹی کی روایت نے ایک ایسے تعلیمی ڈھانچے کو فروغ دیا جو مذہب، فلسفہ اور جدیدیت کے امتزاج پر مبنی ہے۔ ان تحریکات نے برصغیر کے دونوں ممالک میں یہ احساس پیدا کیا کہ تعلیم محض معاشی ترقی کا ذریعہ نہیں بلکہ تہذیبی شناخت، فکری آزادی، اور اخلاقی تربیت کا بھی بنیادی وسیلہ ہے۔

موجودہ دور کی قومی تعلیمی پالیسیوں میں ان تحریکات کی فکری میراث نمایاں طور پر موجود ہے۔ پاکستان میں تعلیم کے اسلامی تشخص، قومی زبان، اور اخلاقی تربیت پر زور اسی تاریخی تسلسل کی علامت ہے، جبکہ بھارت میں سیکولر ازم کے تحت مذہبی وسائسی ہم آہنگی کے اصول انہی اصلاحی تحریکات کی یاد دلاتے ہیں۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر کی تعلیمی تحریکات نے ایک ایسا فکری ورثہ چھوڑا جو آج بھی جنوبی ایشیا کی علمی، اخلاقی، اور تہذیبی زندگی کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ تحریکات صرف تاریخ کا باب نہیں بلکہ ایک ایسی فکری بنیاد ہیں جن پر مستقبل کی تعلیمی پالیسیاں اور علمی سمتیں استوار کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ نوآبادیاتی نظام حکومت اور تعلیمی پالیسیوں کی تشکیل

برصغیر میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے سیاسی اقتدار سنبھالا تو اس کے ساتھ ہی ایک نیا فکری اور تعلیمی نظام بھی وجود میں آیا، جس کا مقصد محض تعلیم نہیں بلکہ فکری غلامی کے ذریعے سیاسی تسلط کو مضبوط کرنا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ابتدا میں تعلیم کو مقامی زبانوں اور مذہبی اداروں تک محدود رکھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اسے اپنی نوآبادیاتی حکمت عملی کا ایک مؤثر ہتھیار بنالیا۔ کمپنی کے حکام سمجھتے تھے کہ اگر مقامی آبادی کے ذہن و فکر کو مغربی سانچے میں ڈھالا جائے تو ان کی سیاسی مزاحمت کم کی جاسکتی ہے۔

سامنے آیا، جس نے پورے برصغیر کے تعلیمی نظام (Macaulay's Minute on Indian Education) ”میں لارڈ میکالے کا مشہور زمانہ“ تعلیمی منٹ 1835 کا رخ بدل دیا۔ میکالے نے اعلان کیا کہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے اور مقامی زبانوں کو علمی سطح پر غیر مؤثر قرار دیا جائے۔ اس پالیسی کے تحت ایک ایسا طبقہ تیار کیا گیا جو ”رنگت میں ہندوستانی مگر فکر میں انگریز“ ہو۔ نتیجتاً اسلامی اور سنسکرتی تعلیم کے مراکز کمزور پڑنے لگے، اور مغربی نصاب نے ان کی جگہ لے لی۔

اس تبدیلی کے نتیجے میں مدارس، پانچھ شالامیں، اور گروکل جو صدیوں سے علم و اخلاق کے مراکز تھے، اپنے اثر و رسوخ سے محروم ہونے لگے۔ علم کی بنیاد اخلاق و روحانیت کے بجائے مادیت اور نفع پرستی پر رکھی جانے لگی۔ اگرچہ مغربی تعلیم نے سائنس، قانون، اور جدید علوم کے دروازے کھولے، لیکن ساتھ ہی اس نے ایک فکری تقسیم بھی پیدا کی۔ ایک طرف مغرب زدہ اشرافیہ اور دوسری جانب مذہبی طبقہ جو اپنی شناخت کے تحفظ کے لیے فکری مزاحمت پر مجبور ہوا۔

یہی وہ دور تھا جس نے بعد میں علی گڑھ، دیوبند، اور ندوہ العلماء جیسی تحریکات کو جنم دیا۔ جو دراصل اسی نوآبادیاتی نظام کے فکری تسلط کے خلاف تعلیمی مزاحمت کا تسلسل تھیں۔

۲۔ علی گڑھ تحریک: مسلمانوں کی جدید علمی بیداری کی بنیاد

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر کے مسلمان نہ صرف سیاسی طور پر مغلوب ہوئے بلکہ علمی اور تہذیبی طور پر بھی شدید زوال کا شکار ہو گئے۔ برطانوی حکومت نے 1857 مسلمانوں کو بغاوت کا ذمہ دار ٹھہرا کر ان سے سرکاری عہدے، معاشی مواقع اور تعلیمی سہولتیں چھین لیں۔ اس مایوس کن صورت حال میں سرسید احمد خان ایک فکری رہنما کے طور پر سامنے آئے جنہوں نے مسلمانوں کے لیے تعلیم کو بقا اور ترقی کا واحد راستہ قرار دیا۔

سرسید احمد خان کا فکری پس منظر اس بات پر مبنی تھا کہ مسلمان صرف مذہبی تعلیم پر انحصار کر کے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں رہ سکتے۔ ان کے نزدیک علم وہ طاقت ہے جو اقوام کو غلامی سے آزادی کی طرف لے جاتی ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کی عقلی و سائنسی تعبیر پر زور دیتے ہوئے مذہب اور علم جدید کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو جدید دنیا کے علمی دھارے میں شامل کرنا تھا، تاکہ وہ مغربی قوموں کے ساتھ برابری کی سطح پر ترقی کر سکیں۔

اسی مقصد کے تحت سرسید نے سائنسی و جدید تعلیم کے فروغ کے لیے کئی اقدامات کیے۔ انہوں نے 1864ء میں "سائنٹفک سوسائٹی" قائم کی تاکہ سائنسی کتب کا اردو میں ترجمہ کیا جاسکے، اور 1870ء میں "تہذیب الاخلاق" کے نام سے ایک جریدہ جاری کیا جو فکری بیداری اور اصلاح معاشرت کا ترجمان بن گیا۔ ان کی سب سے بڑی کامیابی 1875ء میں محمد اینگلو اور میٹل کالج کے قیام کی صورت میں سامنے آئی، جو بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تبدیل ہوا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے مسلمانوں میں جدید سائنسی، سماجی، اور فکری شعور پیدا کیا۔ اس ادارے کے فارغ التحصیل طلبہ نے بعد میں سیاسی، تعلیمی، اور سماجی میدانوں میں قیادت سنبھالی۔ علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا اور انہیں اس یقین سے روشناس کرایا کہ علم ہی وہ طاقت ہے جو انہیں ذلت سے عزت، غلامی سے آزادی، اور جہالت سے شعور کی طرف لے جاسکتی ہے۔

یہی علی گڑھ تحریک بعد ازاں تحریک پاکستان کے فکری پس منظر کا اہم ستون بنی۔ کیونکہ اس نے مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ ان کی ترقی اور بقا کا انحصار اپنے تعلیمی و فکری نظام کی تشکیل نو میں ہے۔

۳۔ روایتی تعلیمی اداروں کا زوال اور نئے تعلیمی ماڈلز کا قیام

برصغیر میں نوآبادیاتی دور سے قبل تعلیم کا نظام مذہبی اور اخلاقی بنیادوں پر قائم تھا۔ مدارس، پاٹھ شالائیں، اور گروہ کل نہ صرف علم کے مراکز تھے بلکہ روحانیت، کردار سازی، اور سماجی تربیت کے بھی ضامن تھے۔ مسلمان طلبہ مدارس میں دینی علوم، فقہ، منطق، اور فلسفہ پڑھتے تھے جبکہ ہندو طلبہ پاٹھ شالوں میں سنسکرت، ریاضی، اور مندر سے متعلق تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان اداروں کی تعلیم اگرچہ مذہب سے گہری وابستگی رکھتی تھی، مگر عملی زندگی کے تقاضوں سے بتدریج دور ہو گئی۔

جب برطانوی حکومت نے اپنے سیاسی تسلط کو مستحکم کیا، تو اس نے ان روایتی اداروں کو غیر موثر بنانے کے لیے نئے تعلیمی ماڈلز متعارف کرائے۔ لارڈ میکالے کے تعلیمی منٹ کے بعد مغربی تعلیم اور انگریزی زبان کو سرکاری سطح پر فوقیت دی گئی۔ اس پالیسی کے نتیجے میں مدارس اور پاٹھ شالائیں حکومتی سرپرستی سے محروم ہو گئیں، اور ان کی جگہ مشنری اسکولوں اور سرکاری کالجوں نے لے لی۔

مشنری اسکولوں کا قیام ابتدائی طور پر مذہبی تبلیغ کے مقصد سے ہوا، لیکن جلد ہی وہ انگریزی زبان، سائنس، اور مغربی فلسفے کے فروغ کے مراکز بن گئے۔ ان اداروں نے نئی نسل میں مغربی اقدار اور فکر حیات کو پروان چڑھایا۔ دوسری جانب، سرکاری کالجوں جیسے کلکتہ، مدراس، اور بمبئی یونیورسٹیوں کے قیام نے ایک نیا طبقہ پیدا کیا۔ جو تعلیم یافتہ تو تھا، مگر اپنی تہذیبی اور مذہبی جڑوں سے کٹا ہوا۔

یوں روایتی نظام تعلیم کا زوال صرف ادارہ جاتی نہیں بلکہ تہذیبی اور فکری سطح پر بھی ہوا۔ اس دور میں ایک واضح خلیج پیدا ہوئی۔ ایک طرف مغربی تعلیم یافتہ اشرافیہ اور دوسری جانب مذہبی مدارس سے وابستہ طبقہ۔ یہی خلیج بعد ازاں برصغیر کی مسلم و ہندو اصلاحی تحریکات کے لیے فکری بنیاد بنی، جنہوں نے اس ٹوٹے ہوئے رشتے کو از سر نو جوڑنے کی کوشش کی۔

یہ دور دراصل برصغیر کے تعلیمی منظر نامے میں ایک نئے باب کا آغاز تھا۔ جس میں علم کا محور مذہب سے ہٹ کر سیاست، سائنس، اور جدید معاشرتی ترقی کی طرف منتقل ہو گیا۔

۴۔ دیوبند تحریک: مذہبی تشخص اور فکری مزاحمت کا استعارہ

انیسویں صدی کے وسط میں جب مغربی فکر، انگریزی زبان، اور سیکولر تعلیم برصغیر میں تیزی سے پھیل رہی تھی، مسلمانوں کے ایک طبقے نے محسوس کیا کہ اس فکری یلغار کے نتیجے میں اسلامی شناخت اور دینی اقدار کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ اس صورتحال نے دیوبند تحریک کو جنم دیا۔ ایک ایسی تحریک جس نے مذہبی تشخص، فکری خودی، اور دینی علوم کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام 1866ء میں ایک مختصر جھوٹپیڑی میں عمل میں آیا۔ اس کے بانیوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، اور مولانا یعقوب نانوتوی جیسے جید علما شامل تھے۔ ان علما کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم کو مغربیت سے آزاد رکھا جائے اور اسلامی علوم کو معاشرتی زندگی کے مرکز میں واپس لایا جائے۔ دارالعلوم دیوبند کا نصاب درسی نظامی پر مبنی تھا، مگر اس میں روحانی تربیت، اجتہادی بصیرت، اور اخلاقی کردار سازی کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔

دیوبند نے فقہ، تفسیر، حدیث، اور تصوف کے امتزاج سے ایک ایسا فکری و تعلیمی ڈھانچہ قائم کیا جس نے برصغیر میں مذہبی شعور کو نئی توانائی بخشی۔ اس ادارے نے ایک ایسی نسل تیار کی جو دین کی خدمت کے ساتھ ساتھ معاشرتی اصلاح، سماجی قیادت، اور علمی خود مختاری کے جذبے سے سرشار تھی۔

مغربی فکر کے مقابل اسلامی خودی کا فروغ دیوبند تحریک کی فکری بنیاد تھی۔ اس نے مغرب کی تقلید کی بجائے اسلامی اصولوں پر مبنی خود انحصاری، علم و عمل کی پاکیزگی، اور روحانی آزادی پر زور دیا۔ اگرچہ دیوبند کا تعلیمی ماڈل علی گڑھ کے برعکس تھا، مگر مقصد یکساں تھا۔ مسلمانوں کی علمی اور اخلاقی بیداری۔

دیوبند تحریک نے مذہب کو صرف عبادات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک زندہ اور فعال معاشرتی قوت کے طور پر متعارف کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحریک نے نہ صرف برصغیر میں بلکہ دنیا بھر میں اسلامی فکر کے احیاء پر گہرا اثر ڈالا۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ دیوبند تحریک برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایمان، خودداری، اور فکری مزاحمت کی علامت بن کر ابھری۔ ایک ایسی علامت جس نے اسلام کو مغربی فکری غلبے کے مقابلے میں استقامت اور استقلال عطا کیا۔

خلاصہ

برصغیر کی تعلیمی تحریکات دراصل ایک فکری و قومی بیداری کا استعارہ تھیں۔ علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں میں جدید تعلیم اور سائنسی شعور کو فروغ دیا جبکہ دیوبند نے اسلامی شناخت اور دینی علوم کے تحفظ کو ترجیح دی۔ اسی طرح ہندو ہمنواؤں نے بھی اپنی سماجی و مذہبی اصلاح کے لیے تعلیم کو ہتھیار بنایا۔ ان تمام تحریکات نے اجتماعی طور پر برصغیر کے عوام میں خودی، قومی شعور، اور آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔ آج بھی ان تحریکات کے اثرات پاکستان اور بھارت کے تعلیمی و فکری ڈھانچے میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں، جہاں مذہب، ثقافت، اور جدیدیت ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی کے ساتھ موجود ہیں۔

حوالہ جات

- میٹکالف، باربرا ڈی۔ (1982ء)۔ برطانوی ہندوستان میں اسلامی احیاء: دیوبند 1860ء تا 1900ء۔ پرنسٹن یونیورسٹی پریس، امریکہ۔
- لیلی ویلڈ، ڈیوڈ۔ (1978ء)۔ علی گڑھ کی پہلی نسل: برطانوی ہندوستان میں مسلم یکجہتی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن۔
- نور اللہ، ایس۔ اور نانک، جے۔ پی۔ (1951ء)۔ برصغیر میں تعلیم کی تاریخ۔ میکملن پبلشرز، بھارت۔
- فضل الرحمن۔ (1982ء)۔ اسلام اور جدیدیت: فکری روایت کی تبدیلی۔ یونیورسٹی آف شکاگو پریس، امریکہ۔
- ایس۔ ایم۔ اکرام۔ (1964ء)۔ جدید مسلم ہندوستان اور قیام پاکستان۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
- اقبال حسین قریشی۔ (1966ء)۔ پاکستان میں تعلیم: ایک تاریخی تجزیہ۔ جامعہ کراچی پریس، کراچی۔
- احمد، احسان۔ (1975ء)۔ برصغیر کی مسلم برادری: فکری و تاریخی جائزہ۔ یونیورسٹی آف شکاگو پریس، امریکہ۔
- ابوالکلام آزاد۔ (1948ء)۔ انڈیا ونز فریڈم (ہندوستان نے آزادی حاصل کی)۔ اورینٹ لانگ مین، دہلی۔
- کے۔ ایم۔ اشرف۔ (1970ء)۔ ہندوستان کے عوام کی زندگی اور حالات۔ ایشیا پبلشنگ ہاؤس، کلکتہ۔
- ابوالحسن علی ندوی۔ (1957ء)۔ تاریخ دعوت و عزیمت۔ ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔
- شبلی نعمانی۔ (1903ء)۔ الکلام اور تاریخ تعلیم۔ دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔